انوار علی خان سوز

# مسلم اساسیّت
## (Muslim Fundamentalism)

فنڈامنٹلزم کی اصطلاح امریکہ سے مستعار لی گئی ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ فنڈامنٹلزم یعنی اساسیّت کی تحریک جنگِ عظیم اوّل کے بعد شروع ہوئی ہے۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ بائبل کو لفظ بہ لفظ صحیح سمجھا جائے اور بائبل کی کوئی نئی تعبیر نہ کی جائے۔ بائبل میں جن معجزات کا ذکر ہے انہیں حرف بحرف صحیح مانا جائے۔ مسیح کے بغیر باپ کی پیدائش اور ان کا آسمان پر جانا بھی بالکل صحیح تسلیم کیا جائے۔ اس تحریک کا ایک خاص مقصد یہ بھی تھا کہ نظریۂ ارتقاء کو غلط ثابت کیا جائے۔

مگر "اساسیّت" کی تحریک کی ابتداء درحقیقت ۱۸۳۰ء سے شروع ہوئی تھی۔ یہ تحریک ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک کاشتکار ولیم ملر (WILLIAM MILLER) نے شروع کی تھی۔ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ۱۸۴۳ء میں مسیح دوبارہ تشریف لائیں گے اور "الف مبارک" شروع ہو جائے گا۔ اس کے پیروؤں کی تعداد ۵۰ ہزار سے ایک لاکھ تک ہو گئی تھی، لیکن جب ۱۸۴۳ء ختم ہو گیا اور مسیح دوبارہ تشریف نہ لائے تو لوگوں کے دماغ میں شبہات پیدا ہونے لگے۔ "الف مبارک" کے ماننے والوں کو "الفیین" (MILLENARIANS) کہنے لگے۔ مسیح کی آمد کے مخالفوں نے اس بات کو لے کر بائبل کی لفظی تشریح کے بجائے معنوی تشریح شروع کر دی۔

۱۸۳۵ء میں انگلینڈ میں بھی اس تحریک کا آغاز ہو گیا تھا۔ ایو نجلیکل چرچ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس تحریک کی وجہ سے امریکہ میں ولیم ملر کی اچھی خاصی شہرت ہو گئی، مگر جب مسیح دوبارہ تشریف نہ لائے تو ساری تحریک بے جان ہو کر رہ گئی اور انگلستان میں بھی لوگوں نے "الف مبارک" کی دوسری تشریح کرنی شروع کر دی۔

اس کے بعد ۱۸۷۰ء تک یہ تحریک بے جان ہی پڑی رہی، لیکن جب چرچ کو جدید خیالات سے خطرہ لاحق ہوا تو پادریوں نے ان خیالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ الفیین کی تحریک ابھی تک پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی، اس کے ماننے والوں نے مسیح کی دوبارہ آمد کے تخیل کو تو چھوڑ دیا تھا مگر وہ "الف مبارک" کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسیح ایک خاص وقت پر تشریف لائیں گے، اس لیے ہمیں مسیح کی آمد کی تیاری کرنی چاہیے اور عیسائیت کو جدید خیالات سے بچانا چاہیے۔ امریکہ میں

ایپس کوپلین (EPISCOPALIAN) اور پرس بی ٹیرین (PRESBYTERIAN) چرچ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس تحریک میں مختلف فرقوں کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ اس تحریک کی طرف سے ایک رسالہ "سچائی" (TRUTH) کے نام سے نکلتا تھا۔ اس رسالہ کا ایڈیٹر جیمس - ایچ - برکس (JAMES H. BROOKS) (۱۸۳۰ء - ۱۸۹۷ء) "الف مبارک" کے ماننے والے امریکہ کے بڑے شہروں میں کانفرنسیں کرتے تھے۔ نیاگرا میں ۱۸۹۹ء تک ان لوگوں کی کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ نیویارک میں بھی ان لوگوں نے ایک کانفرنس کی۔

"الف مبارک" کے ماننے والے یہ کہتے تھے کہ عیسائی معاشرہ مسیح کے آنے کے بعد ہی ٹھیک ہوگا، لیکن یہ کسی تاریخ کا تعین نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں کو "ماقبل الفیین" کہا جاتا تھا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں "مابعد الفیین" کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ امریکہ میں ہر طرح کی معاشی، معاشرتی اور اخلاقی ترقی ہو رہی ہے، اور مسیح علیہ السلام اس وقت تشریف لائیں گے جب دنیا ان کی آمد کے لیے تیار ہو چکی ہوگی، لیکن ملر کے حامی جنہیں "ماقبل الفیین" کہا جاتا ہے وہ اس سلسلے میں زیادہ پر امید نہیں تھے۔ وہ کہتے تھے کہ عیسائی سماج مسیح کے آنے کے بعد ہی سدھرے گا۔ ان کا خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام انیسویں صدی کے آخر تک ضرور آجائیں گے۔ ملر کے حامی سمجھتے تھے کہ مسیح انہی کے زمانے میں تشریف لے آئیں گے۔ ۱۸۷۰ء میں جو تحریک پیدا ہوئی، اس کے حامی بائبل کی نئی ترجمانی کرتے تھے۔ مگر ۱۸۳۰ء میں جو تحریک پیدا ہوئی تھی، اس کے حامی بائبل کی نئی تعبیر کو ماننے سے انکار کرتے تھے۔

بائبل پر سخت تنقید کی وجہ سے بہت سے عیسائی تقریباً کفر کی حد تک پہنچ گئے تھے مگر ملر کی تحریک اب ابھر کر اوپر آنے لگی اور اسی کا نام "الف مبارک" کے ماننے والا ہو گیا۔ اسی کو الفیین کی تحریک کہا جانے لگا۔ اسی زمانے میں "الف مبارک" کے ماننے والوں کو ایک عظیم شخصیت مل گئی جس کا نام "ڈوائٹ-ایل-موڈی" (DWIGHT L. MOODY) تھا۔ یہ شخص ۱۸۹۹ء تک زندہ رہا۔ "الف مبارک" کے ماننے والے عیسائی مبلغوں کو جو دوسرے ممالک میں کام کرتے تھے امداد بھی دیتے تھے، ان لوگوں نے پرنسٹن میں ایک دارالعلوم بھی کھولا جس میں بائبل کی لفظی تشریح پر پورا زور دیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے یونیورسٹی کے پروفیسروں کو تبادلۂ خیالات کے لیے بلایا۔

"الف مبارک" کے ماننے والوں نے قدامت پسندوں اور ایونجلیکل پروٹسٹنٹس (EVANGELICAL PROTESTANTS) کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ان لوگوں نے ۱۹۰۹ء میں بارہ کتابچے چھپوائے۔ ان کتابچوں کا نام "اساسیات" (FUNDAMENTALS) تھا۔ ان بارہ رسالوں میں بائبل پر تنقید کی سخت مخالفت کی گئی تھی۔ ان رسائل میں بائبل کی جدید ترجمانی کو غلط ثابت کیا گیا تھا۔ جو دلائل بائبل کی لفظی تشریح کے حق میں پرنسٹن کے دارالعلوم میں

جمع کیے گئے تھے۔ ان کی رو سے نئی تعبیر کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بارہ رسالے ڈھائی لاکھ کی تعداد میں مفت تقسیم کیے گئے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۵ء تک چلتا رہا۔

جیمس۔ایچ۔ بروکس اس تحریک کو کافی عرصہ تک سنبھالے رہا، مگر ۱۸۹۷ء میں اس کا بھی انتقال ہوگا۔ ۱۹۱۲ء تک نیاگرا کانفرنس کے سارے حامی مر گئے۔ ان سارے رہنماؤں کے بعد "الف مبارک" کے ماننے والوں میں اختلافات رونما ہونے لگے۔ الفیین دو حصوں میں بٹ گئے۔ دونوں کی طرف سے دو رسالے نکلنے لگے۔ ایک کا نام "واچ ورڈ اینڈ ٹرتھ" (WATCHWORD & TRUTH) تھا اور دوسرے کا نام "ہماری امید" (OUR HOPE) تھا۔ ان دونوں رسالوں میں ایک دوسرے کے عقائد پر تنقید کی جاتی تھی اور اپنے عقائد کو صحیح ثابت کیا جاتا تھا۔

جنگ عظیم اوّل کے بعد امریکہ میں سخت اخلاقی انحطاط رونما ہونے لگا۔ "الف مبارک" کے ماننے والے اس اخلاقی زوال سے سخت پریشان تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس اخلاقی زوال کو روکا جائے۔ انھوں نے امریکہ کے مختلف شہروں مثلاً نیویارک، فلاڈلفیا وغیرہ میں بہت سی کانفرنسیں کیں۔ ان کانفرنسوں میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ چنانچہ الفیین (MILLENARIANS) نے اپنا نام بدل کر "عالمی عیسائی اساسیات تنظیم" (WORLD'S CHRISTIAN FUNDAMENTAL ASSOCIATION) رکھا لیا۔ الفیین (MILLENARIANS) کو اساسیین (FUNDAMENTALISTS) کہا جانے لگا۔

اساسیین نظریۂ ارتقاء کے سخت مخالف تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ نظریۂ ارتقاء کو پبلک اسکولوں میں نہیں پڑھانا چاہیے۔ ٹینیسی نے ایک قانون اس سلسلے میں پاس کر دیا مگر اس قانون کو عدالت میں چیلنج کیا گیا۔ امریکہ کے مختلف شہروں میں اس قسم کے جلسے کیے گئے مگر ان جلسوں میں زیادہ لوگ شریک نہ ہوئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۲۸ء تک چلتا رہا۔

جنگ عظیم اوّل کے بعد اخلاقی زوال کے ساتھ کمیونزم کا خطرہ بھی بڑھ رہا تھا۔ لوگ بائبل کی نئی تعبیر کو اختیار کر رہے تھے۔ اساسیین ایک طرح سے محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ ایپس کوپل، پریس بی ٹیرین، بپٹسٹ اور میتھوڈسٹ چرچ کے لوگ ان نئی تعبیروں کو ماننے لگے۔ ہنری ایمرسن فوس ڈک (HENRY EMERSON FOSDUK) جدید تعبیر کا نمائندہ سمجھا جانے لگا۔ فوس ڈک نے ایک بار یہ کہہ دیا تھا کہ "کیا اساسیین کی فتح ہوگی؟" ہنری ایمرسن فوس ڈک بپٹسٹ چرچ سے تعلق رکھتا تھا۔ "الف مبارک" کے ماننے والوں نے اسے چرچ سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس میں پندرہ ممبر شامل تھے۔ کمیشن اس نتیجے پر پہنچا کہ بپٹسٹ چرچ میں اختلافِ آراء کو برداشت کیا جانا چاہیے۔ بہرحال ہنری ایمرسن فوس ڈک کو چرچ سے باہر نہیں نکالا گیا۔ اس کا

نتیجہ یہ نکلا کہ اساسیین (FUNDAMENTALISTS) کو فتح حاصل نہ ہو سکی۔

اساسیین کے چند اصول یہ تھے۔ اوّل بائبل کو صرف کلام الٰہی سمجھا جائے۔ ثانیاً یہ مانا جائے کہ مسیح کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ثالثاً کفارۂ مسیح کا عقیدہ حرف بحرف تسلیم کیا جائے۔ رابعاً ازسر نو پیدائش اور معجزاتِ مسیح کو مکمل طور پر تسلیم کیا جائے۔

اساسیین کے اختلافات تقریباً ۱۹۲۰ء تک ختم ہو چکے تھے مگر ان کا استدلال ختم نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۲۰ء کے اواخر میں اساسیین کے نظریات نے پھر زور پکڑنا شروع کر دیا۔

۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک اساسیین عوام میں زیادہ مشہور نہیں رہے۔ اس دوران میں اکثر اساسیت پسندوں نے ایک نیا فرقہ بنا لیا۔ یہ فرقہ بہت چھوٹا تھا۔ اس فرقہ میں ہر فرقہ کے لوگ جمع ہو رہے تھے۔ اساسیت پسندوں کا یہ طبقہ اپنے پرانے عقیدوں پر جما رہا۔

جنگ عظیم ثانی کے بعد اساسیین میں خوشحالی پھیل گئی۔ ان لوگوں نے صنعتی ترقی اور سائنس اور ٹیکنالوجی کو قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنے عقائد کو پھیلانے کے لیے ریڈیو اور ٹیلی وژن کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اسی دور میں بلی گراہم (BILLY GRAHAM) اساسیین کا سب سے بڑا نمائندہ تھا۔ بلی گراہم نے سائنس کی مخالفت بند کر دی۔ اس نے کہا کہ اگر امریکہ نے اپنے اخلاقی زوال کو نہ روکا اور دولت کو غلط طریقے پر استعمال کیا تو امریکہ کو طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ دولت کی فراوانی کے ساتھ امریکہ میں جرائم کی رفتار بھی بڑھنے لگی۔ گھریلو زندگی میں طرح طرح کے مسائل پیدا ہونے لگے۔ اب اساسیین کا مقصد ان جرائم کو روکنا اور خاندانی روایات کو برقرار رکھنا قرار پایا۔

جس طرح جنگ عظیم اوّل سے پہلے نظریۂ ارتقاء کی مخالفت کی گئی تھی، اسی طرح جنگ عظیم ثانی کے بعد کمیونزم کی مخالفت شروع ہوئی۔ اساسیین یہ سمجھتے تھے کہ اب عیسائیت کو کمیونزم سے خطرہ ہے، لہٰذا اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ اس وقت اساسیین کا نمائندہ رسالہ "آج کا عیسائی" (CHRISTIAN TODAY) تھا۔

اساسیین نہ شراب پیتے ہیں، نہ سگریٹ نوشی کرتے ہیں اور نہ رقص میں حصہ لیتے ہیں۔ بعض لوگ ان میں سے فلمیں بھی نہیں دیکھتے۔ اکثر اساسیین ۱۸۱۷ء میں جو کانفرنس نیاگرا میں ہوئی تھی، اسی کے اصولوں پر عمل کرتے ہیں اور انہیں عقائد کو مانتے ہیں۔ مثلاً بائبل وحی الٰہی ہے۔ بائبل کے الفاظ میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ تثلیث کا عقیدہ، انسانی کمزوری اور نجات کے لیے دوسری پیدائش، کفارۂ مسیح، مسیح پر ایمان لانے والوں کے لیے نجات کی بشارت اور مسیح کی دوبارہ آمد۔

---

اس حد تک میں نے مسیحی اساسیین کے نظریہ کی تشریح کی ہے اور ان کی پوری تاریخ بھی

بیان کر دی ہے۔ ۱۸۴۰ء کے آس پاس مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جو مہدی اور مسیح کی آمد کے منتظر تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح مہدی کے بغیر ناممکن ہے، اور مہدی کے بعد مسیح کا آنا بھی ضروری ہے۔

سوڈان میں محمد احمد (۱۸۴۴ء تا ۱۸۸۵ء) نے مہدویت کا دعویٰ کیا۔ مہدی سوڈانی نے بہت سی فتوحات حاصل کیں مگر ۱۸۸۵ء میں مہدی سوڈانی کا انتقال ہو گیا۔

برصغیر میں مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۳۹ء تا ۱۹۰۸ء میں مہدی و مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح مہدی کے بغیر ممکن نہیں ہے، مگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مہدی کے بعد مسیح کا آنا بھی ضروری ہے تو انہوں نے مسیح ہونے کا بھی دعویٰ کیا، چونکہ مسیح علیہ السلام نبی تھے اس لیے انہوں نے نبوّت کا بھی دعویٰ کیا۔ مسلمانوں نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لیے وہ ایک فرقہ بن کر رہ گئے۔ جس طرح ۱۹۱۴ء میں اساسیین دو فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اسی طرح غلام احمد قادیانی کے انتقال کے بعد تقریباً ۱۹۱۴ء کے لگ بھگ احمدی بھی دو فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک فرقہ قادیانی تھا دوسرا لاہوری۔

مرزا غلام احمد قادیانی گو خود کو نبی قرار دیتے تھے جو سراسر کفر تھا لیکن وہ بنیادی طور پر قرآن میں کسی ردوبدل کے قائل نہیں تھے۔ قرآن کو وحی الٰہی مانتے تھے اور معجزات کو بھی تسلیم کرتے تھے۔

ایران میں ۱۸۴۴ء میں مرزا علی محمد باب (۱۸۱۹ء تا ۱۸۵۰ء) نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی اور مسلمان سب ایک عہد مبارک کا انتظار کر رہے تھے اس لیے مہدویت کے دعویٰ داروں کو بہت سے پیروکار مل گئے۔ باب کا انتقال ۱۸۵۰ء میں ہوا اور اس کے بعد ۱۸۶۳ء میں بابی تحریک دو حصوں میں بٹ گئی اور مرزا حسین علی نے یہ دعویٰ کیا کہ جس موعود شخصیت کا باب نے دعویٰ کیا تھا، وہ میں ہوں۔ وہ خود کو اللہ کا مظہر کہتا تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید بہاء اللہ کے بعد کوئی مبارک دور شروع ہو جائے گا، لہٰذا بہاءاللہ کو بھی بہت سے پیروکار مل گئے۔ لیکن نہ تو مہدی سوڈانی کے بعد، نہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد، نہ باب اور بہاءاللہ کے بعد کوئی مبارک دور شروع ہوا۔ مسلمانوں میں جن لوگوں پر اساسیین کا اطلاق ہو سکتا ہے تو وہ یہی چند فرقے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ سارے شیعہ اور سنی راسخ العقیدہ مسلمان ہمیشہ ان فرقوں کے مخالف رہے ہیں۔

---

لفظ اساسیین کا اطلاق آج کل بعض مسلمان جماعتوں پر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جماعتِ اسلامی، اخوان المسلمون، ایرانی انقلاب کے حامی وغیرہ۔ اگر اس لفظ کو اساسیاتِ دین کے معنی میں لیا جائے تو میرا خیال ہے کہ کوئی لبرل سے لبرل مسلمان بھی اپنے آپ کو اساسیاتِ دین کا منکر نہ قرار دے گا اور اگر کوئی مسلمان اساسیات دین ہی سے انکار کر بیٹھے تو غالباً انتہائی آزاد خیال مسلمان بھی اسے مسلم

قوم کا فرد ماننے کے باوجود اس کی تحریروں کو کوئی وزن نہ دے گا۔

مسیحیوں نے "اساسیات" (FUNDAMENTALS) کے نام سے کچھ رسالے شائع کیے تھے جن کی وجہ سے انھیں اساسیین (FUNDAMENTALISTS) کہا جانے لگا۔ ان رسالوں میں مسیحیت کے بنیادی عقائد بیان کیے گئے تھے اور ان کی تعبیر کو غلط ثابت کیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے ہر مسیحی جو ان رسالوں سے متفق تھا اسے FUNDAMENTALIST کہا جاسکتا ہے، مگر [مسلم دُنیا میں] اُن لوگوں کو اساسیت پسند کہا جاسکتا ہے جو انیسویں صدی میں مہدی اور مسیح کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

---

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دین میں جن چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے، انھیں دین سے خارج کر دیا جائے اور اسلام کو اس کی اصل بنیادوں پر قائم کیا جائے، مگر اس سلسلے میں بھی مختلف لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ بعض ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو دین میں اضافے کو صحیح سمجھتے ہیں، حالانکہ ان لوگوں کو راسخ العقیدہ شمار کیا جاتا ہے۔ اہل قرآن کے نام سے ایک گروہ مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ جو باتیں صرف قرآن میں پائی جاتی ہیں، انھیں پر دین کی عمارت استوار ہونی چاہیے، مگر اس گروہ کو دین سے منحرف قرار دیا جاتا ہے۔

آج بھی جتنے متجدّد مسلمان اصلاح کے مدعی ہیں وہ محض قرآنی بنیادوں پر دین کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ بعد میں جو احادیث جمع کی گئی ہیں، ائمہ فقہ وحدیث نے ان کی جو تشریحات کی ہیں، ان کی طرف وہ زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ وہ محض ابتدائی اسلام کی طرف مراجعت کرنا چاہتے ہیں مگر یہ لوگ آزاد خیال سمجھے جاتے ہیں لہٰذا آزاد خیال لوگوں کو فنڈامنٹلسٹ قرار دیا جانا چاہیے۔

---

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دین کی لفظی تشریح کرنے والوں کو اساسیت پسند کہا جانا چاہیے مگر اس گروہ میں نہ جماعت اسلامی آتی ہے اور نہ اخوان المسلمون اور نہ ایرانی انقلاب کے حامی۔

امام خمینی نے امام مہدی کے عدم ظہور کے باوجود اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے "حکومتِ اسلامی" نام کی ایک کتاب لکھی ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ پرانا شیعی نقطۂ نظر صحیح نہیں ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی نظام اور دور میں بھی قائم کیا جا سکتا ہے، لہٰذا امام خمینی کے حامیوں کو فنڈامنٹلسٹ نہیں کہا جاسکتا۔

جماعت اسلامی کی بنیاد مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ نے ڈالی تھی۔ جو لوگ راسخ العقیدہ سمجھے جاتے ہیں انھوں نے مولانا مودودی کی بعض تشریحات پر اعتراضات کیے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ان اعتراضات میں کوئی وزن ہے یا نہیں، ان اعتراضات کے پیش نظر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت

اسلامی کو فنڈامنٹلسٹ کس طرح قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا مودودی نے سبع سموات کی نئی تعبیر کی ہے، حالانکہ پرانے علماء سات آسمانوں کو ٹھوس مادہ سے بنے ہوئے تعبیر کرتے تھے۔ عرش کی تعبیر مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ نے اقتدار سے کی ہے حالانکہ پرانے علماء اس کی یہ تعبیر نہ کرتے تھے۔

الاخوان المسلمون کی بنیاد حسن البنا نے ڈالی تھی، مگر اس زمانے میں حسن البنا صرف دینی اصلاح کے کام کر رہے تھے اور الاخوان المسلمون بھی صرف مسلمانوں کی اصلاح کے کام میں مصروف رہی۔ ایک وقت آیا کہ کرنل ناصر الاخوان المسلمون کے ساتھ مل کر انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے۔ اس دور میں کرنل ناصر اور الاخوان المسلمون ایک ہی نقطۂ نظر کے حامی تھے۔ لہٰذا کرنل ناصر کو بھی فنڈامنٹلسٹ کہا جانا چاہیے۔ انقلاب کے بعد الاخوان المسلمون کے سب سے بڑے مفکر سیّد قطب تھے اور سیّد قطب مولانا مودودی کی فکر سے بے حد متاثر تھے۔ انھوں نے قدیم علماء کی روش سے ہٹ کر اسلام کی ایک نئی تعبیر کی۔ اپنی کتاب "العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام" میں انھوں نے کہا ہے کہ ابو بکرؓ نے لوگوں میں مالِ غنیمت کو مساوی طور پر تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا تھا لہٰذا ان کے زمانے تک معاشی مساوات باقی رہی مگر حضرت عمرؓ نے پہلے اسلام لانے والوں کو زیادہ حصہ دیا اور بعد میں اسلام لانے والوں کو کم حصہ دیا، اس کی وجہ سے معاشی عدم مساوات پیدا ہو گئی۔ سیّد قطب نے لفظی تشریح پر اکتفاء نہ کیا، اس لیے الاخوان المسلمون کو بھی فنڈامنٹلسٹ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

---

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو لوگ مذہب پر نہایت سختی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں، انھیں فنڈامنٹلسٹ کہا جانا چاہیے۔ دین پر سختی کے ساتھ جمے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ پرانی روایات پر سختی کے ساتھ جما رہنا چاہیے۔ حالانکہ اس دور کی جن جماعتوں کو فنڈامنٹلسٹ کہا جاتا ہے وہ سب علامہ اقبال، محمد عبدہ، ڈاکٹر علی شریعتی اور جمال الدین افغانی کے نظریات پر بڑی شدّت کے ساتھ جمی ہوئی ہیں۔ کیا ان سب کو فنڈامنٹلسٹ کہا جائے گا۔ علامہ اقبال، علی شریعتی، محمد عبدہ نے دین کی نئی تعبیر پیش کی ہے۔ سیّد قطب پرانے لباس کو چھوڑ کر جدید لباس پہنتے تھے۔ ڈاکٹر علی شریعتی بھی جدید لباس پہنتے تھے۔ جماعتِ اسلامی کے جدید تعلیم یافتہ اصحاب بھی جدید لباس پہنتے ہیں۔ ان میں جماعت کی مجلسِ شوریٰ کے ارکان بھی ہیں۔ سیّد قطب اور امام خمینی عورت کے چہرے کو چھپانا ضروری نہیں سمجھتے اور جماعتِ اسلامی میں بعض ارکان کا بھی یہی خیال ہے۔ الاخوان المسلمون کے نزدیک ڈاڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔ سیّد قطب ڈاڑھی نہیں رکھتے تھے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ نے ایک بار یہ کہہ دیا تھا کہ ڈاڑھی کی کوئی مقدار نہیں ہے۔ یہ غالباً ۱۹۴۴ء کی بات ہے۔ اس پر راسخ العقیدہ علماء نے سخت اعتراضات کیے تھے۔ امام خمینی نے علی رجائی کو وزیر اعظم بنایا تھا اور وہ بھی جدید لباس پہنتے تھے۔

---

اگر روایت پرست مسلمانوں کو فنڈامنٹلسٹ کہا جائے تو یہ مسلمان اس دور میں انقلاب کے علمبردار نہیں ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں میں روایت کے ماننے والے دو گروپ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروپ دیوبندی ہے اور دوسرا بریلوی مگر دونوں گروپ اپنے عقائد میں اختلاف کے باوجود جماعت اسلامی اور الاخوان المسلمون دونوں کی مخالفت میں متحد ہیں اور ایرانی انقلاب کے بھی عام طور پر حامی نہیں ہیں۔ خود وہابی مسلمان جن کی حکومت سعودی عرب میں ہے، وہ بھی ایرانی انقلاب کے ہم نوا نہیں ہیں۔ جماعت اسلامی ملوکیت کو غلط سمجھتی ہے اس لیے وہ سعودی حکومت کو اسلامی حکومت نہیں بتاتی۔ روایت پرست شیعہ عام طور پر امام خمینی کے مخالف ہیں۔ عام طور پر روایت کے ماننے والے علماء اپنی حکومتوں کے وفادار ہیں۔

---

آج جو لوگ مسلم فنڈامنٹلزم کی اصطلاح سے نہایت خوف زدہ ہیں، ان کے خوف کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ جن تحریکوں کو اسلامی فنڈامنٹلسٹ تحریک کہا جاتا ہے۔ ان تحریکوں میں مسلم قوم کے دانشور پائے جاتے ہیں جو اسلام کے اوپر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ وہ خلافت راشدہ کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کو اس دور میں نافذ کرنا چاہتے ہیں، مگر خلافت راشدہ کے طریقۂ انتخاب کو اس دور میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ امام خمینی نے ایران میں باقاعدہ جمہوریت قائم کی ہے جس میں ممبران پارلیمنٹ کا باقاعدہ انتخاب ہوتا ہے۔ آیت اللہ روح اللہ خمینی ایک نیا سماجی، سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنا چاہتے تھے، مگر یہ نظام اس دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے روبہ عمل لایا جائے گا۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اسلامی نظام کس طرح وجود میں آسکتا ہے تو مولانا نے جواب دیا تھا کہ صرف جمہوری ذرائع سے---

الاخوان المسلمون شام میں جمہوریت کی بحالی کے لیے کوشش کر رہی ہے، حالانکہ حافظ الاسد خود کو جمہوریت کا حامی بتاتے ہیں۔ مصر میں الاخوان المسلمون جمہوریت کی بحالی کے لیے پریشان ہے کیونکہ مصری حکمران خود کو جمہوریت کا حامی بتاتے ہیں۔ سعودی عرب میں کیونکہ ملوکیت ہے اور الاخوان کی تعداد بہت کم ہے اس لیے وہ کھل کر سامنے نہیں آتے ہیں۔ مصر اور شام ہی میں الاخوان کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ اگر یہ پارٹیاں برسر اقتدار آگئیں تو ان دونوں ممالک میں جمہوریت قائم ہو جائے گی مگر چونکہ عوام الناس اسلام پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں اس لیے جمہوریت کی اسلامی شکل قائم کی جائے گی۔

ان جماعتوں میں مسلم دانشوروں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ لہٰذا لبرل مسلمانوں کو ان جماعتوں کی تائید کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان جماعتوں کو عوام اچھا سمجھتے ہیں یا کم از کم انھیں برا نہیں خیال کرتے۔ انہی جماعتوں کی وجہ سے اسلام کی ایک نئی تعبیر وجود میں آسکتی ہے۔ ان میں سے بیشتر جماعتوں کے سربراہ اور دانشور اپنا شجرۂ نسب علامہ اقبال، محمد عبدہ، ڈاکٹر شریعتی اور جمال الدین افغانی سے جوڑتے

ہیں۔

مسیحی اساسیین نظریۂ ارتقاء کو غلط سمجھتے تھے انھوں نے ٹینیسی میں اس کے خلاف ایک قانون بھی بنوا دیا تھا۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ نے بھی نظریۂ ارتقاء کو غلط ثابت کیا ہے، مگر علامہ اقبال نظریۂ ارتقاء کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ اقبال کو نہایت عظیم اسلامی مفکر بھی مانتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی میں بعض لوگ نظریۂ ارتقاء کو صحیح سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اسے غلط سمجھتے ہیں۔ اگر سعودی عرب یا کسی دوسرے ملک میں نظریۂ ارتقاء نہیں پڑھایا جاتا تو ان ممالک میں الاخوان یا جماعتِ اسلامی کی حکومت نہیں ہے۔

یہ ساری جماعتیں کمیونزم کی مخالف ہیں، مگر یہ کمیونزم کے لادینی فلسفہ کی مخالف ہیں جس میں مادہ ہی اصل شئے ہے اور خدا کا کوئی وجود نہیں پایا جاتا۔ مگر قومی ملکیت کو ماننے والے ان جماعتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیتے ہیں نہ کہ انسان کی۔ ان جماعتوں نے کبھی نظریۂ ارتقاء کو اپنا موضوعِ بحث نہیں بنایا۔ جس طرح مسیحی اساسیین کے لیے نظریۂ ارتقاء کی مخالفت ہی ایک نکتۂ اتحاد بن گئی تھی، اسی طرح کمیونزم کے معاشی نظام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کمیونزم کے خلاف جو نکتۂ اتحاد ہے وہ کارل مارکس کی خدا بیزاری ہے۔

اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ الاخوان المسلمون، جماعت اسلامی اور ایرانی انقلاب کے حامیوں کو کسی معنی میں بھی فنڈامنٹلسٹ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

(بہ شکریہ سہ ماہی "تحقیقاتِ اسلامی" علی گڑھ)